رجسٹرڈ نمبر ایل ۹۲۲۰

ہماری زبان

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ کا پندرہ روزہ اخبار

قیمت فی پرچہ دو آنے — سالانہ چندہ دو روپے

جلد ۱۲ | یکم نومبر ۱۹۵۳ء | ایڈیٹر قاضی عبدالغفار | ۲۲ صفر المظفر ۱۳۷۳ھ | نمبر ۲۱

اتر پردیش میں اردو کے مکاتب

اس موضوع پر ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب پھر اس کی بنیادی اہمیت پر ہماری زبان کے پڑھنے والوں اور اتر پردیش کے اردو دوستوں کو توجہ دلاتے ہیں۔

یہ مکاتب جن کی تعداد تقریباً ایک ہزار بتائی جاتی ہے مسلم ایجوکیشن سکیم کے ماتحت ۱۹۱۳ء سے قائم ہیں۔ ان میں درجہ ۳ یا ۴ تک تعلیم اردو زبان میں ہوتی ہے۔ جیسا کہ ایک نامہ نگار نے بتایا ہے۔ اگر ہر مکتب میں طلبا کا اوسط ۲۰ بھی ہو تو گویا اس وقت ان مکاتب سے ۲۰ ہزار طلبا فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

ایسے ہی مکاتب اور مدارس کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے حکومت نے صوبہ کی ایک مسلم ایجوکیشن کمیٹی بنائی تھی۔ جو عرصہ تک کام کرتی رہی۔ اس کمیٹی میں متعدد غیر سرکاری ممبران تھے جن کو ان مکاتب کے معائنہ کرنے اور اپنی تجاویز اور سفارشات گورنمنٹ کے سامنے پیش کرنے کا حق حاصل تھا۔ لیکن اس کمیٹی کو زبردستی معطل اور بیجان کر دیا گیا۔ ہماری زبان کی کسی گذشتہ اشاعت میں ہم بتا چکے ہیں کہ کس طرح اس کمیٹی کا گلا گھونٹا گیا اور کس طرح بار بار توجہ دلانے کے باوجود ریاستی وزارت تعلیمات نے ممبروں کے احتجاج کا جواب دینا بھی پسند نہیں کیا۔

ابھی تک کہا جاتا ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ذریعہ سے ہر مکتب کو پندرہ یا بیس روپیہ ماہوار امداد ملا کرتی ہے، اور اس کے بقیہ اخراجات ہر شہر اور بستی کے لوگ خود برداشت کرتے ہیں۔

اب جو فضا اردو کے لئے ہماری ریاست میں پیدا ہوئی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر سمت سے یہ خبریں آ رہی ہیں کہ ان مکاتب کی امداد بند کی جا رہی ہے اور ظاہر ہے کہ صرف مقامی چندوں سے ان کا جاری رکھنا مقامی آبادی کے لئے بہت دشوار ہو جائے گا۔ فرخ آباد سے اطلاع ملی ہے کہ وہاں کے ڈسٹرکٹ بورڈ نے یہ امداد بند کر دی۔ اس کے خلاف فرخ آباد کی انجمن ترقی اردو نے سخت احتجاج کیا ہے اور ایک قرارداد منظور کی ہے جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"انجمن ترقی اردو ضلع فرخ آباد کا یہ نمائندہ جلسہ ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع فرخ آباد کے اس طرز عمل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے کہ اس نے ضلع فرخ آباد کے اردو مکاتب کی جو برسوں سے مفید تعلیمی خدمت انجام دے رہے تھے امداد بند کر دی ہے جبکہ ضلع فرخ آباد کے پڑوسی ضلع شاہجہاں پور میں مکاتب قائم ہیں۔ اور ان کی امداد کرنے اور ترقی دینے کے لئے ایک سپروائزر بھی مقرر ہے۔

سیکولرزم اور سیکولرزم کے پردہ میں ان مکاتب کو ختم کرنے کے لئے ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع فرخ آباد کا یہ اقدام نہ صرف اردو دشمنی اور فرقہ پرستی کی طرف اشارہ کرتا ہے، بلکہ دستور ہند کی دفعہ ۳۰

کو بھی چیلنج کرتا ہے۔ جو مندرجہ ذیل ہے۔

"تمام اقلیتیں خواہ وہ مذہب کی بنا پر قائم ہوں یا زبان کی بنا پر اپنی مرضی کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کرنے اور چلانے کا پورا حق رکھتی ہیں اور حکومت اپنی تعلیمی امداد کے سلسلہ میں کسی ادارے کے ساتھ محض اس بنا پر کوئی تفریق نہیں کرے گی کہ وہ کسی اقلیت کے زیر انتظام ہے۔" (دفعہ ۳۰)

انجمن ترقی اردو ضلع فرخ آباد کا یہ جلسہ ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع فرخ آباد سے اپیل کرتا ہے کہ وہ اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرے۔

(۲) انجمن ترقی اردو ضلع فرخ آباد کا یہ جلسہ ضلع کے ایم۔ ایل۔ اے صاحبان سے درخواست کرتا ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈ ضلع فرخ آباد کے اس نامناسب رویہ کو حکومت یو۔ پی کے سامنے پیش کریں۔"

یہ واقعہ افسوسناک تو ضرور ہے لیکن تعجب انگیز ذرا بھی نہیں۔ انجمن نے متعلق حکام سے مراسلت شروع کی ہے لیکن ان سے کسی ہمدردی اور توجہ کی امید فضول ہے۔ اب تو اتر پردیش کے اردو دوستوں کو خود ہی غور کرنا ہے کہ وہ ان مکاتب کو جاری رکھنے کے لئے کیا کوشش کریں۔ ایسے حالات میں ممبران اسمبلی سے اپیل بالکل فضول سی بات ہے۔ ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ایک دو ممبروں کے سوا تمام ممبران اسمبلی پارٹی کی ڈسپلن میں اس قدر بند ہوئے ہیں کہ وہ حکومت کے منشا کے خلاف سانس بھی نہیں لے سکتے۔ گورنمنٹ کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی پارٹی کی اکثریت کے زور پر کسی ایسے احتجاج اور اپیل کی پروا نہیں کرتی۔ بالآخر ہمیں سوچنا ہی پڑتا ہے کہ خود اردو کے حامی اور مددگار ان حالات میں کیا کر سکتے ہیں۔

یہ ہزار مکاتب اردو زبان کی تعلیم کا ایک بڑا سرمایہ ہیں جس کی بربادی بہت افسوسناک ہوگی۔ انجمن ان تمام خطرات پر نظر کرکے یہ کوشش کر رہی ہے کہ اس قسم کی مشکلات کو حل کرنے کی کوئی صورت پیدا کی جائے۔ حال ہی میں ہم نے انجمن کی شاخوں کو ایک سوالنامہ بھیجا ہے۔ اس کے ذریعہ سے بھی ہم نے مختلف اضلاع کے مقامی حالات معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اسی کے ساتھ ہم دسمبر یا جنوری میں تمام شاخوں کے عہدہ داروں کی کانفرنس بھی ان ہی مسائل پر غور کرنے کے لئے کرنا چاہتے ہیں۔ علاقائی تحریک کے ذریعہ سے جو کام کیا گیا ہے اس کے نتیجہ کا انتظار کئے بغیر ہم کو ان پیش نظر مسائل پر جلد سے جلد غور کرنا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ دوسری تعلیمی اسکیموں (مدارس شبینہ تعلیم بالغان وغیرہ) پر غور کرنے سے پہلے جو مکاتب موجود ہیں ان کو بربادی سے بچانا ہے مگر اس کام کے لئے کثیر سرمایہ کی ضرورت ہے۔ انجمن کے وسائل بہت محدود ہیں اور عام معاشی حالات ایسے نہیں کہ کسی بڑے سرمایہ کے فراہم ہونے کی امید کی جا سکے۔ صرف ان ایک ہزار مکتبوں ہی کو جاری رکھنے کے لئے ہمیں کم از کم ۳۰ ہزار روپیہ ماہوار خرچ کرنے کی ضرورت ہے۔ ان تمام مشکلات کے باوجود ہمیں اردو کی تعلیم کا اہتمام کرنا ہے۔ اور حکومت کے امداد پر بھروسہ کئے بغیر ایسا کرنا ہے۔

بڑی ضرورت اس کی ہے کہ ہم ان مشکلات سے گھبرائے بغیر یہ ارادہ کرلیں کہ ابتدائی کام اگر سو فیصدی نہ ہو سکے تو اسی صدی تو انجام پاسکے۔ ان مسائل پر ٹھنڈے دل سے سوچنا ہے۔ جو لوگ گھبرا دینے اور پریشان کرنے والی باتیں تو بہت کرتے ہیں مگر کام کچھ بھی نہیں کرتے یا جو لوگ تھوڑا سا کام کرتے ہیں اور نقارے اتنے بجاتے ہیں گویا دیپک راگ اردو کی ناؤ کے کھویا ہیں۔ ان سب کی باتوں اور نعروں سے متاثر ہوکر ہائے ہائے کرنے کے بجائے وقت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل فکر و نظر ایک جگہ جمع ہوں اور کام کرنے کے وسائل پیدا کریں۔ بیشک کام مشکل اور حالات دشوار ہیں۔ لیکن اسی لئے تو یہ کام کرنے کا ہے!

ھلکے ھلکے اشارے

مذہب کے نام کے ساتھ فحاشی اور عریانیت کا جو بیوپار اردو ادب میں جاری ہے وہ کس قدر شرمناک ہے اس کا اندازہ یوں کیجئے کہ دہلی کے ایک مولانا صاحب کے اخبار میں جس قسم کے عریاں افسانے شائع ہوتے ہیں ان کا حسب ذیل نمونہ ایک معاصر نے حضرت مولانا کے اخبار سے نقل کیا ہے نقل کفر کفر نباشد۔

رات بھر ہم دونوں باتیں کرتے رہے
میرا دل صاف ہو چکا تھا۔ فیاض کے ذرا گہ شادی
کر لینے سے مجھے یہ یقین آگیا تھا کہ اس کو مجھ سے

بھی محبت تھی۔ لیکن اس کے باوجود میں اس سوال کو حل نہ کر سکی تھی کہ اس نے شادی سے پہلے میری عصمت پر ہاتھ کیوں ڈالا۔ رات میں نے کئی مرتبہ اس سے پوچھا، ضد بھی کی لیکن اس نے نہیں بتایا اور ہر مرتبہ ٹال گیا۔ صبح جس وقت وہ میرے پاس سے جانے لگا تو اس نے میرے کان پر منہ رکھ کر بڑے رازدارانہ لہجے میں کہا۔

"میں زبردستی کی لذت سے آشنا ہونا چاہتا تھا"

دوسرا نمونہ ملاحظہ ہو:۔

"فیاض نے دیکھا کہ مجھ میں مزید مزاحمت کی طاقت نہیں رہی تو اس نے اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل شروع کر دی۔ میرے آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان اس نے اپنی جنسی پیاس بجھائی۔ جب میں اس کے گھر سے چلی تو آنسوؤں کا طوفان میری آنکھوں سے جاری تھا اور میرے قدم لڑکھڑا رہے تھے"

جائز نکتہ چینی اور اعتراض کے طور پر بھی ان سطور کا نقل کرنا ذوق سلیم پر کس قدر گراں گذرتا ہے۔ لیکن ان اصحاب کو جو جبا اور عمامہ کے ساتھ اردو ادب اور اس کے پڑھنے والوں کی رگوں میں زہر کی یہ پچکاریاں لگا رہے ہیں، آخر کس طرح سمجھایا جائے۔ ہمیں یقین ہے کہ ایسے افسانوں کی وجہ سے اخبار کے پڑھنے والوں میں ضرور کچھ اضافہ ہو جاتا ہوگا لیکن خود مولانا کے دامن تقدس پر کتنے دھبے لگتے ہیں — یہ بھی کبھی انہوں نے سوچا!

— الہ آباد یونیورسٹی میں طلبار کو مخاطب کرتے ہوئے ٹنڈن جی نے فرمایا کہ اترپردیش میں کئی زبانیں بولی جاتی ہیں۔ —— کیا فرمایا آپ نے؟ پھر تو فرمائیے! —— ہم تو آج تک یہی سنتے آئے کہ اترپردیش میں صرف ایک ہی زبان ہے اور وہ ہندی ہے!! یہ راتوں رات کئی زبانیں کہاں سے نکل آئیں؟

— لسانی بنیاد پر ملک کی تقسیم کے مطالبے ہر طرف ہو رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ اب اندھرا کی ریاست قائم ہونے کے بعد یہ مطالبے زیادہ زور پکڑیں گے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ٹنڈن جی کو یہ اندیشہ لاحق ہو گیا ہو کہ اترپردیش میں بھی یہ آواز بلند ہوگی!!

— اندھرا کے معاملے میں حکومت کی کمزوری کا اگر یہ نتیجہ ہوا کہ اترپردیش میں اردو والوں کا خیال بھی لسانی تقسیم کی طرف جانے لگا تو ذرا مشکل ہو جائے گی! —— ٹنڈن جی کے لئے یہی مصلحت ہے کہ وہ تو یہی کہے جائیں کہ زبان ایک، ملک ایک، قوم ایک، کلچر ایک، اور (معلوم نہیں ٹنڈن جی کا عقیدہ کیا ہے!) خدا ایک!!

بمبئی کے ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے وزیراعظم نے فرمایا کہ

اردو کے متعلق لوگوں کا جو رویہ ہے اس سے مجھے دکھ ہوتا ہے۔ میرے صوبے یو۔پی میں اردو کا جنم ہوا۔ یہ پاکستان یا کہیں اور کی زبان نہیں ہے بلکہ ہندی سے بٹ کر بنی ہے۔ اردو خاص کر یو۔پی، دہلی اور دوسرے صوبوں میں بولی جاتی ہے۔ بلکہ یہ ایک دلچسپ چیز ہے کہ پنجاب میں گورمکھی اور ہندی کے مابین جو رسم الخط پر بحث اور جھگڑا چل رہا ہے وہ سارا کا سارا اردو میں ہی ہوتا ہے۔

پنڈت جی نے کہا، ہندی تو بے شک راشٹر بھاشا ہے، اردو اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی مگر افسوس ہے کہ ذرا اردو کا چرچا کرو تو بعض لوگوں کی آنکھیں لال پیلی ہو جاتی ہیں۔ یہ اچھا نہیں کہ بجائے اپنے صوبے کی زبان سے استفادہ حاصل کرنے کے اسے نکال باہر کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ کوئی چھوٹی موٹی زبان نہیں، اس کا کوئی صوبہ نہیں، اسے تو کروڑوں آدمی بولتے ہیں، جن میں مسلمان بھی اور دوسرے لوگ بھی بکثرت ہیں۔ ٹنڈن جی نے کہا کہ ہمیں ہندی کو چلانا ہے، مگر کسی کو دبانا نہیں ہے۔ دوسری چھوٹی زبانوں کو بھی چلانا ہے۔ اردو کے لئے فراخدلی سے دروازے کھولو۔ اردو کے رہنے سے ہندی اور نکھر جائے گی۔

—— اسی اردو زبان کی ایک پوربی مثل ہے کہ "پنچ کا کہنا سر آنکھوں پر لیکن پرنالہ تو وہیں بہے گا"!

—— پنڈت جی کو جو دکھ ہوتا ہے اس کی پروا کسے ہے! اترپردیش کی کانگریس کمیٹی نے کیا کیا!! آگرہ میں کیا ہوا!

——— پنڈت جی نے فرمایا کہ "اردو کے لئے فراخدلی سے دروازے کھولو" ——— لیکن فراخدلی کی شرط بہت ٹیڑھی ہے۔ کم ازکم اترپردیش کا نیتا تو اس کو پورا کرنے سے قاصر ہے!

——— ایک دلچسپ خبر۔

بھوپال۔ بھوپال میں ہندی کے پریمیوں کے ایک جلسہ میں ہندی زبان کے پرچار کی پرجوش اپیل کی گئی .... جلسہ نے بھوپال کے دوکانداروں اور کاروباری لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اپنی دوکانوں کے سائن بورڈ ہندی میں لکھوائیں .... اس تحریک پر کہ حکومت سرکاری کام ہندی میں کرے (جس کو مسٹر ستیا نرائن نے پیش کیا) ووٹ نہیں لئے گئے۔ اس لئے کہ سرکار جلسہ میں اختلاف رائے تھا۔ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے سوال پر بہت شور مچا اور جلسہ کوئی فیصلہ کئے بغیر ختم ہوگیا۔

——— اس خبر کی مزید تفصیل حسب ذیل ہے۔

بھوپال (ڈاک سے) ہندی کے حامیوں کا ایک جلسہ اتوار کو ۴ بجے شام ہندی روز نامہ نو بھارت میں شری منی کانت ساگر کی صدارت میں ہوا جس میں ہندی کا استعمال بڑھانے کے لئے کئی قرار دادیں پیش کی گئیں ایک قرار داد میں اختر سعید خاں وکیل نے ایک ترمیم پیش کی۔ کہ ہندی زبان کے ساتھ مقامی زبان کو بھی دفتروں میں استعمال کیا جائے۔

اس ترمیم پر زبردست مباحثہ ہوا۔ اور ترمیم کی تائید میں مشرقی عثمانی نے کہا کہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ دفتروں میں اردو میں درخواستیں اور کاغذات لئے جائیں۔ اور لوگوں کو اردو ہی میں جواب دئیے جائیں۔ اس طریقہ سے نہ تو سرکاری بجٹ پر مصارف کا بار پڑ سکتا ہے نہ کوئی دشواری پیش آسکتی ہے ہم ہندی کی ترقی چاہتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی چاہتے ہیں کہ مقامی زبانوں کو نظرانداز نہ کیا جائے۔ ترمیم اور تجویز پر جوابی تقریروں کے بعد بھی مباحثہ جاری رہا۔ اور گرما گرمی اس حد تک بڑھی کہ اس تجویز کو ملتوی کر دیا گیا۔

اس تجویز کی تائید کرتے ہوئے شری رام چرن رائے وکیل نے کہا کہ اگر مجھ سے یہ سوال کیا جائے کہ میں اردو اور ہندی میں سے کس زبان میں لکھنا پسند کروں گا تو میں اردو میں لکھنا پسند کروں گا لیکن اس کے باوجود بھی میں ترمیم کی تائید نہیں کر سکتا۔ پروفیسر وکنشٹ نے کہا کہ اردو ادب کو ترقی کا موقع ملنا چاہئے لیکن میں اس کے دفتری استعمال کے حق میں نہیں ہوں۔ بعض دوسرے مقرروں نے جن میں مہاسبھا کے لوگ بھی تھے ترمیم کی مخالفت میں سخت تقریریں کیں۔

اس جلسہ میں ایک تجویز جماعت کے قیام کے لئے بھی پیش کی گئی تھی لیکن بحث و مباحثہ نے اتنا طول پکڑا کہ جلسہ بغیر کسی نتیجہ پر پہونچے ختم ہوگیا۔

——— بمبئی میں رسم الخط کے مسئلہ پر تقریر کرتے ہوئے صدر جمہوریہ نے فرمایا کہ دستور نے قومی زبان کا صرف ایک رسم الخط اختیار کیا ہے یعنی دیوناگری۔ لیکن بہتر یہ ہوگا کہ ہر شخص دونوں رسم الخط یعنی دیوناگری اور فارسی سیکھے بلکہ ایک رسم الخط جنوبی ہند کا بھی سیکھے۔

——— ہمارے صدر جمہوریہ گاندھی جی کے ممتاز چیلے ہیں۔ وہ تو ضرور وہی بات کہتے جو مہاتما جی کہا کرتے تھے ——— لیکن مہاتما جی اب کہاں ہیں اور ہمارے پریسیڈنٹ کو کچھ یاد بھی ہے کہ وہ کیا کہا کرتے تھے۔ جواہر لال اور راجن بابو اور مولانا آزاد کو تو وابھا وے پنڈت سندر لال اور چند ہی ایسے مخلص بندوں کے بعد مہاتما جی کا کوئی نام لینے والا بھی اس بھارت میں باقی نہ رہے گا۔ !! کس کو یاد آئیں گی وہ باتیں کہ

بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد !!

——— پٹنہ ۱۲ اکتوبر۔ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حکومت ہند نے صوبائی حکومت کو ہدایت کی ہے کہ وہ بلا وجہ شہروں قصبوں اور دیہاتوں کے ناموں

کو بدلنے کی حوصلہ افزائی نہ کرے۔
ناموں میں تبدیلی کی اجازت بلا
کسی خاص وجہ کے نہ دی جائے
کسی شہر یا گاؤں کا نام بدلنے سے
قبل اس کے بارے میں حکومت ہند
کے محکمہ داخلہ کی اجازت لے لی جائے

——— ریاستوں کی آزادی میں مرکز کی یہ مداخلت قابل اعتراض ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ریاستوں اور خصوصاً اترپردیش میں حکومتوں اور نیتاؤں اور وزیروں کو حماقتیں کرنے کی جو آزادی حاصل ہے اس میں مرکز مداخلت کرے!

ناگپور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری بی پی سنہا اور شری بھٹ نے ۱۳ اگست کے سندھی مراٹھی زبان سے متعلق ریاستی حکومت کے نوٹیفکیشن کے خلاف شری بھجرے کی منڈمس پٹیشن پر کارروائی شروع کرنے کی منظوری دیدی ہے۔ اس منظوری کی اطلاع ایک نوٹس کے ذریعہ حکومت کو دیدی گئی جس میں سوال یہ ہے کہ زبان سے متعلق نوٹیفکیشن کو غیر آئینی کیوں قرار نہ دیا جائے۔ اس کے جوابات جوں گے ہائی کورٹ ان کی معلومات حاصل کریگی۔

——— معاملہ یہ ہے کہ ریاستی حکومت نے مرہٹی زبان کو ایک حد تک علاقائی زبان تسلیم کر لیا ہے لیکن مرہٹی زبان والے مطالبہ کرتے ہیں کہ ان کی زبان کو سرکاری زبان کے مساوی درجہ دیا جائے۔ نوبت بہ ایں جا رسید کہ معاملہ عدالت میں آگیا! ——— اترپردیش کے اردو والے اگر کہیں عدالت کا نام لیں تو معلوم نہیں ان کا کیا حشر ہو!

انجمن کی خبریں

پٹنہ

۲۰ اکتوبر کو سردار محمد لطیف الرحمان صاحب کی صدارت میں انھیں کی رہائش گاہ پر انجمن کی مجلس عاملہ کی نشست ہوئی۔ مولانا مسعود الرحمن ایم ایل اے ابوالاحد محمد نور نائب وزیر، ڈاکٹر منظور احمد ایم ایل اے عبدالسمیع ندوی ایم ایل اے، سردار لطیف الرحمن ایم ایل اے محی الدین مختار ایم ایل اے، محمد تسنیم انصاری سابق ایم ایل اے، محمد برہان الدین خاں ایم ایل اے، بیتاب صدیقی، غلام سرور ایڈیٹر ساتھی، الحاج پروفیسر حافظ شمس الدین احمد، محمد مفضل الرحمن ایم ایل اے، خان بہادر صغیر الحق ایم ایل اے، قاضی محمد الیاس ایم ایل اے، سعید الحق ایم ایل اے، محمد طاہر ایم ایل اے، مولانا نور اللہ ایم ایل اے، سید مظہر امام ایم پی، ڈاکٹر حبیب الرحمن ایم ایل اے، محمد ایوب ایڈوکیٹ، محمد شفیع بیرسٹر وزیر تعمیرات سید شکور احمد ایم ایل اے، پروفیسر اختر اورینوی شاد، مشتاق احمد ایم ایل اے، بدر جلیلی، سہیل عظیم آبادی ایڈیٹر تہذیب، سید محمد عقیل ایم ایل اے، حاجی ضیاء الرحمن ایم ایل اے صاحبان نے شرکت کی۔

سب سے پہلے صدر انجمن لطیف الرحمن صاحب اور بعد میں جنرل سکریٹری انجمن غلام سرور صاحب نے جلسہ کی غرض و غایت بیان کی اور رپورٹ پیش کی۔

پھر ممبران نے تعاون کا یقین دلایا، اور اپنے اپنے حلقہ ہائے انتخاب میں دستخطی مہم کی نگرانی کرنے کا وعدہ کیا۔ اہل کلکتہ کا شکریہ ادا کیا گیا اور بہار کے اردو دوستوں سے اپیل کی گئی کہ دستخطی مہم کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے میں مدد کریں۔ یہ بھی طے ہوا کہ آئندہ جنوری میں کنونشن منعقد ہو۔

رام پور ضلع دربھنگہ

قومی کتب خانہ رام پور ضلع دربھنگہ کے شعبہ بحث و تحقیق گروپ "بی" کی ایک معمولی نشست زیر صدارت جناب مولانا عبدالقدوس صاحب منعقد ہوئی۔ بحث کا عنوان "صفائی کے فوائد اور گندگی کے نقصانات" تھا۔ مندرجہ ذیل بچوں نے بحث میں حصہ لیا۔ جناب محمد مرتضیٰ، جناب محمد عبیداللہ، جناب عبدالقادر، جناب سہیل احمد، جناب محمد مصطفےٰ صابری جناب اظہر عالم، جناب محمد ضیاء اللہ و جناب نور الہدیٰ۔

اخیر میں صدر مجلس جناب مولانا عبدالقدوس صاحب، جناب متین مظہری صدر شعبہ اور جناب عبدالباسط صاحبان نے تقاریر فرمائیں۔

قومی کتب خانہ کے زیر اہتمام گاندھی جینتی منانے کے سلسلہ میں ایک نشست زیر صدارت جناب متین احمد مظہری ہوئی جس میں جناب عبدالباسط صاحب، جناب مولوی حافظ

محمد قاسم صاحب، جناب منظر عالم واجدی، جناب محمد مصطفےٰ صابری اور جناب مولانا عبدالقدوس اور دیگر صاحبان نے مہاتما گاندھی کی زندگی کے اہم پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اخیر میں صدر مجلس نے گاندھی ازم کے فلسفہ پر تقریر فرمائی۔

قومی کتب خانہ رام پور کے تحریر و تصنیف کی مجلس

۵ر اکتوبر۔ قومی کتب خانہ رام پور کے شعبہ تحریر و تصنیف کی مجلس زیر صدارت جناب مولوی عبدالقدوس صاحب منعقد ہوئی۔ مندرجہ ذیل حضرات نے اپنے مقالات و مضامین پڑھے۔

کامریڈ ظہیر الحق اسیر۔	جماعت اسلامی پر غائرانہ نظر	(مقالہ)
جناب عبدالباسط۔	قدیم ہند کی سیاست	(مقالہ)
جناب موسیٰ صدیقی۔	بدنصیب	(افسانہ)
عبدالجبار صاحب۔	سماج کا ابتدائی دور	(مقالہ)
جناب نسیم احمد۔	فصل جنوں	(غزل)
جناب قمرالہدیٰ صاحب	مطالعہ	(مقالہ)
متین احمد مظہری خوشتر	جرعات جلال ملیح آبادی	(تنقید)
متین احمد مظہری خوشتر		(افسانہ)

اخیر میں صدر مجلس جناب مولوی عبدالقدوس صاحب نے مندرجہ بالا مضامین نظم و نثر پر تبصرہ فرمایا

بمبئی

بمبئی ۱۲ر اکتوبر پنڈت سندر لال جی نے کل یہاں فرمایا کہ اردو زبان کے بارے میں تعصب یا تنگ نظری سے باز رہنا چاہئے، آپ نے کہا کہ اردو زبان کی بقا کا راز اس میں ہے کہ یہ آسان سے آسان ہو اور عوام اسے آسانی سے سمجھ سکیں۔

پنڈت جی انجمن ترقی اردو بمبئی شاخ کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں تقریر کر رہے تھے۔ آپ نے کہا کہ اردو کا مسئلہ اور عام طور پر زبان کا مسئلہ ایک دوسرے کے ساتھ ملے ہوئے ہیں آپ نے ابتدا میں کہا کہ باوجودیکہ ہم سے بہت سی غلطیاں ہوگئی ہیں میں بالکل کسی معاملے میں مایوس نہیں ہوں خصوصاً زبان کے معاملہ میں تو بالکل مایوس نہیں ہوں۔

زبان کی ترقی کو روکنا ہماری طاقت سے باہر ہے ہماری غلطیاں رکاوٹ بن سکتی ہیں، وہ سد راہ نہیں بن سکتی۔ ہم اس وقت عبوری دور سے گذر رہے ہیں۔ ملک ترقی کی طرف جا رہا ہے اور زبان بھی اسی طرح ترقی کی طرف جائیگی۔ اس کی روانی کو دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

پنڈت جی نے کہا کہ اگر ہم یہ کہیں کہ زبان کے بارے میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا تصور الگ الگ ہے تو یہ بالکل غلط ہے زبان کو فرقہ وارانہ نظریہ سے دیکھنا یا پرکھنا غلط ہے۔ آپ نے کہا کہ مقام افسوس ہے کہ ہم ضرورت سے زیادہ مذہبی واقع ہوئے ہیں اور ہم ہر چیز کو مذاہب پر لاکر پرکھتے اور تولتے ہیں یہ پہلی بیماری ہے جس کے ہم شکار ہیں۔ دوسری بیماری یہ ہے ہم میں سے جو لوگ پڑھے لکھے ہیں وہ بات چیت میں ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو عام طور پر لوگوں کی سمجھ سے باہر ہیں۔ اور یہ خامی اردو اور ہندی دونوں کے عالموں اور فاضلوں میں ہے۔

آپ نے کہا کہ مجھے اس بات سے بڑی چڑ ہوتی ہے۔ جب کوئی یہ کہتا ہے کہ اردو مسلمان کی مادری زبان ہے اور ہندی ہر ہندو کی مادری زبان ہے۔ اردو کا تعلق مسلمانوں کے مذہب سے قطعاً نہیں ہے۔ اسلام کی کوئی زبان نہیں۔ اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے۔ چین کے کئی کروڑ مسلمان اردو نہیں جانتے تو کیا وہ مسلمان نہیں۔ اردو اسلام کی کلچر زبان بھی نہیں۔ بنگال کا مسلمان بنگالی بولتا ہے اور مہاراشٹر کا مسلمان مرہٹی میں بات چیت کرتا ہے۔ جب کوئی پنجاب کا شاعر اردو یا ہندی میں نظم کہتا ہے تو اس میں وہ سوز نہیں جو پنجابی میں ہو سکتا ہے۔

اردو اگر کسی کی زبان ہے تو پورے ہندوستان کی زبان ہے اگر یہ زندہ رہے گی تو تمام ہندوستان کے لئے زندہ رہیگی۔

آپ نے فرمایا کہ جس طرح بعض ہندوؤں میں تنگ نظری ہے اس طرح مسلمانوں میں ایک طرح کی تنگ نظری ہے قرآن مجید میں سب مذہبی اصطلاحات وہی ہیں جو کفار عرب استعمال کرتے تھے آپ نے کہا کہ مسلمانوں کو قرآن مجید سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ اسلام دنیا کو ملانے آیا تھا اس نے دنیا کی تمام زبانوں سے استفادہ کیا ہے۔

پنڈت جی نے کہا کہ اردو زبان کی ترقی یا تنزل سے اسلام پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اسلام دنیا میں قائم رہے گا اردو چاہے رہے یا نہ رہے۔

پنڈت سندر لال جی نے کہا کہ میں سمپورنا نند جی ٹنڈن جی شکلا جی وغیرہ کو خوب جانتا ہوں۔ انہیں یہ مشکل ہندی بالجبر بنانے میں سخت تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ نے اپنے آپ کو گھر کا بھیدی بتاتے ہوئے کہا کہ میں ان کی تکالیف کا حال اچھی

طرح جانتا ہوں۔ اردو سے دشمنی محض چڑ اور ضد کا معاملہ ہے۔ اپنی تقریر ختم کرتے ہوئے پنڈت جی نے فرمایا کہ:۔

مجھے فخر ہے کہ میں انجمن ترقی اردو کا رکن ہوں اور علاقائی تحریک کا میمورنڈم ہے کہ جو وفد صدر جمہوریہ کی خدمت میں جا رہا ہے۔ اس میں بھی میں شریک ہوں۔ ہم کیوں جا رہے ہیں اس لئے جا رہے ہیں کہ اردو کے وطن میں اس پر ظلم ہو رہا ہے۔ اردو زبان کے اسکول بند کر دیئے گئے ہیں۔ ہم دستور کی مدد لے کر صدر جمہوریہ کے پاس جا رہے ہیں۔ اردو کے میمورنڈم پر ۲۰ لاکھ دستخط ہیں۔ جن میں ہندو دستخط کرنے والوں کی تعداد لاکھوں ہے۔ ہم اردو زبان میں تعلیم کا انتظام چاہتے ہیں۔ اور یہ چاہتے ہیں کہ لکھنؤ میں اردو زبان کی اعلیٰ تعلیم کے لئے ایک یونیورسٹی بنائی جائے۔

سن تو سہی جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا

اُردو کے حقوق

تمام ہندوستان میں اردو بولنے والوں کی یہ خواہش تیز ہوتی جاتی ہے کہ اردو کو علاقائی زبان تسلیم کیا جائے۔ یہ احساس بالکل قدرتی ہے اس لئے کہ عرصہ ہوا کہ مغلوں کے زمانہ میں اردو اسی ملک میں پیدا ہوئی اور ہندو اور مسلمانوں دونوں کی کوشش سے پیدا ہوئی اور دونوں قوموں کے اہل علم کی کوششوں سے ہی اس نے ترقی کی۔

یہ زبان کسی ایک قوم کی اجارہ داری نہیں ہے پنجاب دہلی، اتر پردیش اور دوسری ریاستوں کی آبادی کی اکثریت اس زبان کو بولتی اور لکھتی ہے اور وہ ہندو اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی ایک کڑی ہے۔

ہمیں اپنے دلوں کو فرقہ پرستی کے جذبات سے پاک کرنا چاہئے۔ اردو کو صرف اس لئے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وہ سیدھے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کی طرف لکھی جاتی ہے۔

ایم۔ اے۔ ودیارتھی
دارجلنگ۔ ۱۰ر اکتوبر

میں اردو کی بحث پر ہر اسٹیمین پڑھتا رہا ہوں۔ بعض خیالات سے جو ظاہر کئے گئے ہیں ان سے مجھے صدمہ ہوا۔ میں ایک ایسی ریاست کا باشندہ ہوں جہاں اردو زبان بھی خاص ریاستی زبان تھی اور اب بھی ہے۔ حتیٰ کہ اردو ادب کے ادیب بھی بولتے ہیں اُردو ہی۔

کسی لیڈر نے ہندی کی حمایت کرتے ہوئے اردو کو بُرا نہیں کہا اور کسی ممتاز شخص نے کبھی اردو پڑھنے کی مخالفت نہیں کی۔

میں مانتا ہوں کہ ہر قوم کے لئے ایک سرکاری زبان کا ہونا بھی ضروری ہے۔ لیکن کیا بہت سے انگریز فرانسیسی زبان نہیں جانتے۔ ہر ہندوستانی کو آزادی ہے کہ وہ جو زبان چاہے پڑھے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ کوئی سرکاری اعلان اسے کسی ایسی زبان کے سیکھنے سے روک سکے جس کو وہ پسند کرتا ہے۔

انگریزوں کے زمانہ میں کوئی شخص یہ شکایت نہیں کرتا تھا کہ کسی علاقائی زبان کو انگریز دبا رہے ہیں۔

ایک زبان کا مقصد اتحاد ہے۔ جب ہندوستان کے تمام لوگ ہندی بولیں گے جس طرح اب وہ انگریزی بولتے ہیں تو وہ زیادہ متحد ہوں گے۔ لیکن کسی زندہ زبان کو کسی ملک میں بھی ختم کر دینا غالباً ناممکن ہے۔

رمیش۔ سی۔ سری واستو
(دم۔ دم)
(اسٹیٹسمین۔ ۱۲ر اکتوبر ۵۳ء)

اُردو کے رُوپ

کوئی مانے یا نہ مانے مگر سب جانتے ہیں کہ اردو کسی خاص صوبے یا علاقے کی زبان نہ ہوتے ہوئے بھی ہر جگہ بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ بھارت والے چاہے اپنے دیس سے نکالا دیں یا پاکستان والے اور زبانوں کا رٹ لگائیں لیکن جب مختلف علاقوں کے لوگ ملتے ہیں تو وہ اردو ہی کو اظہار خیال کا ذریعہ بناتے ہیں اردو ادب ٹھیٹھ محاوروں اور روز مرہ کے چکر سے نکل کر آزاد ہو گئی۔ اب سینکڑوں الفاظ اس نے اپنا لئے ہیں۔ دیکھ لیجئے یہ "چالو" اور "خلاص" لکھنؤ یا دلی والے کب بولتے تھے۔ مگر اب اردو جہاں جہاں گئی ہے۔ وہاں

اس نے مقامی رنگ قبول کر لیا ہے۔ اب اردو ایک زبان نہیں۔ بلکہ "قسما قسمی" کی زبان ہے۔ میں ایک بار اُردو کے مختلف نمونے نقلوں میں پیش کر چکا ہوں۔ جن میں ایک گلنٹیر خاں کی غزل تھی۔

تمہارا آنکھ بھی دو ہے ہمارا بھی دو ہے
خو دو کو دو سے ملاتا ہے چار ہوتا ہے

ایک رانجھے خاں کی غزل تھی ؎

میں بولا بادشاہو اک مری چھوٹی سی گل سن لو
وہ بولے چھڈو جی کیا گل سینا بزار کے بیچ میں

ایک گجراتی کا نمونہ تھا ؎

اڑے جاؤ تڑے گم کرو شکل اپنا

ایک بنگالی اردو کا نمونہ تھا ؎

"ہمارا اسلام دو" "اولی او سگور" "اوگر مطے"

(علی اصغر) (ڈاگر)

ایک صاحب نے "نوائے وقت" میں اُردو کی یہی مختلف قسم کی صورتیں پیش کی ہیں۔ اور پوچھا کہ ان میں سے کونسی اردو کو پاکستان کی سرکاری زبان بنایا جائے۔

لیجئے آپ کی تفنن طبع کی خاطر ہم نئی اردو کے مختلف نمونے درج کرتے ہیں:۔

پنجابی اُردو

مجھے سندر سنگھ نے بازار کے وچ پکڑ لیا۔ میں گھر نول جا رہا تھا۔ میں نے بتیرا کہا کہ مجھے جانے دے مگر اس کی گل بات سے پتہ چلا کہ اس نے شراب پی ہوئی تھی۔ اور ایہہ ٹیکسی چلا رہا تھا۔"

بنگالی اُردو

"رمیش گھوش کو ہیں بولا ستے ایک تھوڑ شو گلے کا کیا کھانا۔ تر پیٹ بھر کر ماچھی کھاؤ اور نشہ کرداؤ۔ نشہ کر کے ٹیکسی چلانا اچھا نہیں۔"

حیدر آبادی اُردو

"وقار الامراء کے والد معظم جاہی میں ملازم تھے۔ اعلیٰحضرت کی خدمت میں مامور تھے۔ دو ہزار منصب تھا ان کے مرنے پر جاگیرداد کا اجراج ہوا۔ اور ریاست ختم۔ لیجئے اب اجازت دیجئے، حاضر ہوتا ہوں، آداب تسلیمات"!

سندھی اردو

سائیں کیا پوچھتا ہے وڈیرہ احمد علی بہت پیسے والا آدمی تھا۔ میر خیرپور اس کے گھر پر آتا تھا۔ اور غریب لوگ کو خیرات دیتا تھا۔ مچھی مانی کھلاتا تھا۔ سیٹھ گنیدل اس کا جگری دوست تھا۔ سیٹھ پتانا کھاتا تھا۔ احمد علی گوشت کھاتا تھا مگر دونوں میں پریم تھا۔

لکھنؤ کی اُردو

حضرت کیا پوچھتے ہو، دادا جان کل کابل سے آئے تھے آہ ساڑھے سات فٹ قد پچاس انچ چھاتی، رنگ سرخ و سفید۔ تمام لکھنؤ کانپتا تھا۔ زمانہ کا انقلاب اب کانگریس گورنمنٹ میں پوچھتی بھی نہیں۔ حالانکہ انگریز کے زمانہ میں سات روپیہ ماہوار پنشن مقرر تھی آہ!! لکھنؤ تجھے کیا ہو گیا۔ تجھے کس کی نظر کھا گئی۔ دل چاہتا ہے کہ دلیس کابل چلا جاؤں جہاں سے دادا ابا آئے تھے مگر جانے کے لئے پرمٹ ملنا بھی دشوار ہے۔ حضیت اب تو لکھنؤ کی گلیوں کی خاک ہی چھاننی ہو گی۔ شاید

گجراتی اُردو

"ایک ہجار روپیہ تو سونے میں دیا۔ اور تین ہجار چاندی میں لیا۔ ایک پونیا جائے پی کر بھیجر مارکٹ میں گیا۔ وہاں لال جی بھائی کانگریس کا چندہ کرتا تھا۔ ایک ہجار کستور با فنڈ میں دیا۔ پٹیل فنڈ کے لئے دیا۔ اب جواہر لال آئے گا تو دو ہجار دوسرا بھی دے گا۔

کابلی اُردو

اصلی سلاجیت کا لو۔ بدن لوہے کا مالک بنے گا دیوار پر ہاتھ مارو۔ دیوار میں سوراخ کرے گا۔ پتھر مارو۔ گلی گلی کوچہ کوچہ خبر کرو۔ اصلی سلاجیت والا آگیا۔ اور دیکھو یہ اصلی ممیرا ہے۔ یہ عینک توڑ سرمہ ہے۔ ایک سلائی ادھر والا آنکھ میں لگاؤ اور دوسرا والا آنکھ میں ڈالو پر آسمان کو دیکھو دن کے وقت تارے نظر آئے گا۔ یہ اصلی ممیرا ہے۔ گلی گلی کوچہ کوچہ خبر کرو کہ اصلی ممیرا والا آگیا۔ شیر خاں آگیا۔ جو ایسا دوا دے گا۔ جس کو جو کھائے گا وہ شیر بن جائے گا۔

(مجید لاہوری)

ایک قیدی ادیب

اردو زبان کے نوجوان ادیبوں میں سبط حسن ایک ایسے ادیب ہیں جو دنیائے ادب میں اپنا ایک مستقل رکھتے ہیں وہ پاکستان میں قید ہیں۔ ان کا حال ہم امروز (کراچی) کی تازہ اشاعت سے نقل کرتے ہیں تاکہ ہندوستان میں ان کے احباب کو معلوم ہو سکے کہ پاکستان میں اہل قلم اور ادیبوں کی کیا گت بن رہی ہے۔

مشہور ادیب، صحافی اور کمیونسٹ لیڈر سید سبط حسن نے جو اپریل ۱۹۵۱ء سے نظر بند ہیں اپنی فوری رہائی کے لئے ہائی کورٹ میں ہیبیس کارپس کی درخواست دی ہے اور ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس ایس اے رحمٰن نے مرکزی حکومت اور ایڈووکیٹ جنرل آف پاکستان کے نام نوٹس جاری کرنے کا حکم دیا ہے کہ وہ ان کے روبرو سید سبط حسن کے خلاف حکومت کے نقطۂ نگاہ کی نمائندگی کریں۔

سید سبط حسن کا شمار ہندوستان اور پاکستان کے مشہور اہل قلم میں ہوتا ہے۔ آپ نے علی گڑھ میں تعلیم پائی طالب علمی کے زمانے ہی میں وہ ادب اور صحافت میں دلچسپی لینے لگے۔ چنانچہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ "نیشنل ہیرلڈ" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ دو سال تک اس اخبار میں کام کرتے رہے اس کے بعد ریاست حیدرآباد کے مشہور روزنامہ "پیام" کے ادارہ تحریر میں شامل ہو گئے ۱۹۳۶ء میں جب انجمن ترقی پسند مصنفین کا سنگ بنیاد رکھا گیا تو وہ لکھنؤ میں چلے آئے اور انجمن کے ترجمان "نیا ادب" کی ادارت سنبھالی ۱۹۳۹ء میں ان کے پھیپھڑے خراب ہو گئے۔ اور انھیں سینی ٹوریم میں داخل ہونا پڑا۔ ۱۹۴۲ء میں بمبئی کے مشہور ہفت روزہ "قومی جنگ" میں کام کرنے لگے۔ دو برس کے بعد امریکہ چلے گئے اور وہاں کی صحافت کا مطالعہ کیا۔ جب اتحادی قوموں کی انجمن قائم ہوئی تو وہ اقوام متحدہ کے صحافتی ادارے میں شامل ہو گئے آپ پہلے اخبار نویس ہیں جنھوں نے غیر منقسم ہندوستان کے اخبارات کے لئے اقوام متحدہ کی کارروائی قلم بند کی۔ ۱۹۴۶ء میں جب امریکی حکومت نے شہری آزادیوں پر منظم حملہ کیا اور عام پکڑ دھکڑ کا بازار گرم ہوا تو امریکی حکومت نے سید سبط حسن کو بھی گرفتار کر لیا۔ مگر اس پر اقوام متحدہ کے صحافیوں نے زبردست احتجاج کیا۔ ہندوستان نے بھی امریکی حکومت کی اس حرکت پر کڑی نکتہ چینی کی۔ چنانچہ امریکی حکومت نے اس احتجاج سے متاثر ہو کر انھیں رہا کر دیا مگر امریکہ میں ان کا رہنا ناممکن بنا دیا۔ اس لئے وہ یورپ چلے آئے۔ انھوں نے مغربی اور مشرقی یورپ کے کئی ملکوں کا دورہ کیا۔ ۱۹۴۹ء میں وہ پاکستان پہنچے اور اپریل ۱۹۵۱ء میں انھیں گرفتار کر لیا گیا۔ تقریباً چھ ماہ تک وہ شاہی قلعہ میں نظر بند رہے اس کے بعد انھیں سنٹرل جیل لاہور میں منتقل کر دیا گیا۔ جیل میں انھیں کچھ دنوں تک "سی" کلاس میں رکھا گیا۔ جس کی وجہ سے ان کی صحت بے حد گر گئی۔ بعد میں انھیں "بی" کلاس مل گئی کچھ عرصہ بعد انھیں منٹگمری سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا۔ علاج کے سلسلہ میں وہ پھر لاہور میں بلائے گئے اور ان دنوں سنٹرل جیل لاہور میں ہیں۔ ادبی تنقید کے سلسلے میں بھی سید سبط حسن کا رتبہ بہت بلند ہے اور ادب کا نہایت اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔

"امروز کراچی" ۵؍ ستمبر ۱۹۵۲ء

صدر جمہوریہ کی خدمت میں

انجمن کا وفد

مختلف سمتوں سے استفسارات کئے جا رہے ہیں کہ آخر انجمن کا وفد کب ۲۰ لاکھ دستخط لیکر صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہوگا۔ اور اس ملاقات میں کیوں تاخیر ہو رہی ہے۔

ان حضرات کو مخاطب کرنا تو فضول ہے جن کی غرض ان استفسارات کو شائع کرکے محض اعتراض کرنا ہے۔ لیکن انجمن کے بہت سے مخلص احباب بھی یقیناً اس خیال سے بے چین ہیں کہ لکھنؤ کانفرنس کے بعد وفد کے جانے میں تاخیر ہو رہی ہے۔ ان حضرات کے استفسارات پر توجہ کرنا ضروری ہے۔ لکھنؤ کانفرنس کے بعد ۲۰ جولائی کو انجمن کی مجلس عام نے اس یادداشت کے مسودے کو جو صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کی جانے والی ہے بہت غور اور ضروری ترمیمات کے بعد منظور کیا تھا لیکن بعد میں یہ محسوس ہوا کہ یادداشت میں بعض اور ترمیمات کا ہونا ضروری ہے جن پر مجلس عام میں کافی غور نہیں ہوا تھا۔ لیکن صدر انجمن اراکین سے مشورہ کئے بغیر خود کوئی ترمیم کرنا نہیں پسند کرتے تھے

اس لئے بعض اراکین سے پھر خط و کتابت کرنی پڑی۔ ظاہر ہے اس خط و کتابت میں کچھ وقت صرف ہوا۔ یہ مناسب نہ تھا کہ یادداشت کی تکمیل سے پہلے صدر جمہوریہ سے ملاقات کی درخواست کی جاتی لیکن جیسے ہی یادداشت تمام ترمیمات کے بعد مکمل ہوئی صدر جمہوریہ کی خدمت میں ملاقات کی درخواست بھیج دی گئی۔ اور اب یہ توقع ہو کہ غالباً ماہ نومبر کے دوسرے ہفتے میں انجمن کے وفد کو صدر جمہوریہ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملے گا۔

لکھنؤ کانفرنس کے بعد ہی انجمن کی مجلس عام نے وفد کے اراکین بھی منتخب کرلئے تھے ان کی حسب ذیل فہرست اب عام اطلاع کے لئے شائع کی جاتی ہے:

(۱) جناب ڈاکٹر ذاکر حسین، صدر انجمن ترقی اردو، قائد وفد

(۲) پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی صاحب، نائب صدر انجمن ترقی اردو۔

(۳) مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، ممبر پارلیمنٹ، رکن انجمن۔

(۴) ڈاکٹر سید محمود صاحب، ممبر پارلیمنٹ۔

(۵) مسز اوما نہرو ممبر پارلیمنٹ (۶) پنڈت سندر لال صاحب (الٰہ آباد) رکن انجمن

(۷) حیات اللہ انصاری صاحب رکن انجمن (۸) بیگم حیات اللہ۔

(۹) پنڈت کشن پرشاد کول صاحب رکن انجمن (۱۰) سری کرشن چندر (بمبئی) رکن انجمن

(۱۱) قاضی عدیل عباسی صاحب ایم ایل اے (۱۲) سید مسعود حسن رضوی صاحب رکن انجمن

(۱۳) قاضی محمد عبدالغفار صاحب، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو۔

تمام اراکین کو اطلاع دی گئی ہے کہ وہ نومبر کے دوسرے ہفتہ میں دہلی آنے کے لئے تیار رہیں۔ علاقائی تحریک کے متعلق انجمن کی یادداشت صدر جمہوریہ کی خدمت میں پیش کئے جانے کے بعد شائع کی جائے گی۔

نئی کتابیں

اصطلاحات معاشیات

(مرتبہ پروفیسر دلشاد کلانچوی، ناشر دانشکدہ، بہاولپور (پاکستان) قیمت سوا روپیہ)

کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے بہت کارآمد ہے۔ اصطلاحات کا آسان ترجمہ کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں معاشیات کا مطالعہ کرنے والے لوگوں کے لئے یہ کتاب یقیناً بہت مفید ہوگی۔ ہر انگریزی اصطلاح کے ترجمہ کے ساتھ اس کی پوری طرح وضاحت کردی گئی ہے۔ حقیقت میں اس کتاب کی ۷۰ صفحات پر عبور پا کر ایک طالب علم کے لئے "معاشیات" کے موضوع پر مشکل سے مشکل کتاب کو سمجھ لینا بہت آسان ہو جائے گا۔

فہرست نمائش گاہ مخطوطات

(کتب خانہ مسلم یونیورسٹی)

(مرتبہ ڈاکٹر مختار الدین آرزو)

یہ نہیں بتایا گیا کہ اس فہرست کے نسخے کہاں سے مل سکتے ہیں مگر ہم سمجھتے ہیں کہ مسلم یونیورسٹی کی لٹن لائبریری سے مل سکیں گے۔

مخطوطات اور علمی نوادر کے اس ذخیرہ کا جو مسلم یونیورسٹی میں جمع ہو رہا ہے یہ ایک بہت مختصر خاکہ ہے جس کو ڈاکٹر مختار الدین آرزو نے بہت قابلیت سے مرتب کیا ہے۔ کتابچہ کے شروع میں ان کی لکھی ہوئی ایک تمہید ہے اس کے بعد پروفیسر رشید احمد صدیقی کا لکھا ہوا ایک تعارف ہے۔ ہم ذیل میں ڈاکٹر آرزو کی "تمہید" کو بجنسہٖ نقل کرتے ہیں:۔

مسلم یونیورسٹی میں مخطوطات کا ذخیرہ

جامعہ علی گڑھ کا کتب خانہ اپنے قدیم مطبوعات اور نادر مخطوطات کی بنا پر ہندوستان ہی نہیں ہندوستان سے باہر بھی مشہور ہے۔ اس کتب خانے کی ابتدا سر سید اور سید محمود کی ذاتی کتابوں سے ہوئی پھر ان کے احباب اور مخیر حضرات کی مدد سے جلد ہی یہ ذاتی ذخیرے کتب خانے کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔

سر سید کو فارسی و عربی کی قدیم مولفات سے بڑا شغف تھا اور یورپ میں جو بھی کوئی نئی کتاب ان کی دلچسپی کی چھپتی وہ فوراً منگوا لیتے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ کے مطبوعات عربی و فارسی جس قدر زیادہ تعداد میں یہاں موجود ہیں ہندوستان میں کسی اور جگہ کم ہوں گے۔ یہاں بیسیوں ایسی کتابیں ہیں جن پر سر سید اور شبلی وغیرہ کی تحریریں اور یادداشتیں ہیں۔ سید محمود کے کتب خانے کی ایک کتاب قانون ابن سینا قابل ذکر ہے جو روما میں ۵۹۳ء میں چھپی تھی۔

سر سید نے قلمی کتابوں کے جمع کرنے میں بھی بڑی دلچسپی اور گہری توجہ سے کام لیا ہے۔ تاریخ گزیدہ کا وہ نسخہ جس پر فیضی کی تحریریں ہیں سر سید ہی کے ذاتی کتب خانہ کا نسخہ ہے۔ لٹن لائبریری کی کتابوں کے علاوہ مولوی سبحان اللہ خاں، نواب عبدالسلام خاں، نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ، شاہ سلیمان، احسن مارہروی، منیر عالم کے ذخیروں میں متعدد نایاب اور بیش بہا مخطوطات ہیں۔

کتابوں کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے اور لوگ اپنے تحفے یہاں بھیج کر جمع کر رہے ہیں۔ توقع ہے کہ جلد ہی مولوی محمد حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی بھی جو علوم و فنون کی توسیع میں صحیح معنوں میں نواب صدر یار جنگ کے خلف الرشید ہیں اس بنا پر کہ ذخیرہ حبیب گنج سے دنیا زیادہ سے زیادہ مستفید ہو سکے اپنا کتب خانہ مسلم یونیورسٹی میں منتقل کر دیں گے۔

کتب خانے میں جگہ کی قلت کی وجہ سے اب کوئی ہزار سے مخطوطات ایگزیکٹیو کانفرنس کی عمارت میں منتقل کر دیئے گئے ہیں جس کا وسیع ہال اہم مخطوطات و نوادر کی نمائش گاہ کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ یہاں اہم نسخے جات، مصور کتابیں، وصلیاں، تصاویر، کے فرامین وغیرہ اس طرح سجائے گئے ہیں کہ زائرین کم سے کم وقت میں یہاں کے نوادر کا اندازہ لگا لیں۔

ضرورت تھی کہ اس نمائش گاہ کی ایک مختصر سی فہرست مرتب کر دی جائے چنانچہ جناب سید بشیر الدین صاحب لائبریرین کے ارشاد پر میں نے

محمد حسین کالج میگزین سہیل نمبر

(ناشر محمد حسین انٹر کالج، جون پور)

ہمارے ملک میں قسمت کا یہ طنز زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہے کہ بہت سے ہرن میں چمن پر گھاس لادی جاتی ہے اور بہت سے لدھے ہیں جو میدان جنگ میں عرب اور عراقی قرار دیئے جاتے ہیں۔ گول سوراخوں میں مربع کھونٹوں کے بٹھانے کا عمل زندگی کے ہر شعبہ میں جاری ہے بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں اور ان ہی میں ایک اقبال احمد خاں سہیل ہیں جو اب اعظم گڑھ کے ممتاز وکیل ہیں۔

قدیم علی گڑھ کالج کی روایات نے اپنے زمانہ میں متعدد "کھلنڈرے" پیدا کئے ان میں ایک "سہیل" تھے۔ لیکن کون جانتا تھا کہ وہ شعر و سخن کی محفلوں اور فکر و نظر کے میدانوں سے گذر کر عدالتوں کے عرضی دعوے اور جواب دعوے بھی لکھا کریں گے۔ گو کہ ان کی ذہانت نے اس شعبہ میں بھی اپنے جوہر دکھائے لیکن ہم سوچتے ہیں تو حیران ہوتے ہیں کہ اگر کہیں علم و فضل کے کسی گوشہ سے ان کا رشتہ استوار قائم ہو جاتا تو وہ کیا کرتے۔

محمد حسن کالج جون پور کے میگزین کا ایک خاص نمبر سہیل کے متعلق شائع کیا گیا ہے اس نمبر میں کوشش کی گئی ہے کہ ان کا جس قدر کلام جمع کیا جا سکا وہ سب شائع کیا جائے۔ بہر قدرتی "جینیس" کی طرح سہیل صاحب کی طبع رسا جو کچھ اگل دیتی ہے اور اس میں جو موتی اُگلتی رہتی ہیں وہ ان سب سے بے پروا رہتی ہے۔ انہوں نے کبھی اپنا کلام محفوظ نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہے سہیل نمبر کی ترتیب میں بہت دشواری پیش آئی اور شاید اب بھی بہت سے جواہر ریزے ادھر ادھر ضائع ہو چکے ہوں گے۔

سہیل کے کلام اور ان کی شاعری پر تبصرہ کرنے کا یہ محل نہیں ہے لیکن ان کی شاعری میں نئے ہندوستان کا ایک "باغی" جس طرح بار بار پردے اٹھا کر باہر آتا ہے اس کی جھلک دیکھنے کے قابل ہے۔

بحث صیاد و اسیر افسانہ ہو یا واقعہ
قصۂ آزادی ہندوستان سے کم نہیں

اس "قصۂ آزادیٔ ہندوستان" کی جھلکیاں بار بار ان کے کلام میں جھلکتی ہیں اور انہیں بار بار اپنے قلم کی پابندیاں بھی یاد آتی ہیں۔

تھی قفس کی زندگی مُہر زباں ورنہ یہاں
خوشنوا کوئی سہیل ناتواں سے کم نہیں!

کہیں کہیں ان پابندیوں اور غلامیوں کی کشمکش میں وہ سلور جوبلی شاہ جارج پنجم کے متعلق یوں بھی فرماتے ہیں کہ

ہند کے سر پہ سایہ زن دامن شہریار ہو
اور سر شہریار پہ سایۂ کردگار ہو

لیکن دوسرے ہی سانس میں اپنے طنز اور ہجو کا زہر آب سے بھرا ہوا شکیزہ بھی "دامن شہریار" پر لوٹ دیتے ہیں۔

ہند پہ یوں تو مہرباں آپ بھی ہیں خدا بھی ہے
اور لب عجز پر زباں شکر بھی ہے دعا بھی ہے
سب جان بلب ہیں اب دیکھئے کچھ بنا بھی ہے
جل بھی چکا ہے مرض بھی ہے قحط بھی ہے وبا بھی ہے

کہیے کہوں کہ آپکو اس کی کوئی خبر بھی ہے

آپ وہ شہریار ہیں جس سے کوئی خطا نہ ہو
ہم وہ وفا شعار ہیں جس کا کبھی بھلا نہ ہو
کوئی ہماری طرح بھی بندۂ بے خدا نہ ہو
آہ کریں اثر نہ ہو نالہ کریں رسا نہ ہو

مرغ اسیر دام کو اس کے سوا مفر نہیں

آپ نے جو طلب کیا ہم نے لبالب بھر دیا
پاس رہا تو زر دیا کام پڑا تو سر دیا
آپ تھے اجنبی رہنے کو اپنا گھر دیا
اپنے تمام فن دیئے اپنا ہر ایک ہنر دیا

اس پہ بھی آج تک کبھی لطف کی اک نظر نہیں

ہم تو خدنگ ناز سے کب کے شکار ہو چکے
نشتر جاں نواز سے سینہ فگار ہو چکے
دل بھی شہید ہو چکے سر بھی نثار ہو چکے
دور فلک کے جبر سے ہم تہ خاک غبار ہو چکے

ہو گئے خو گر قفس اب غم بال و پر نہیں

حسرت نے کہا تھا کہ

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
یک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

وہی طرفہ طبیعت سہیل کی ہے ان کے طنز اور ہجو نگاری کے بہت سے نمونے شاید اس مجموعہ میں شامل نہیں کئے گئے لیکن "جینیس" کی ذہانت اور قوت ادراک کا بہتر نمونہ طنز ہی کے انداز میں سامنے آیا کرتا ہے۔

ہندوستان میں آزادی کی جدوجہد اور آزادی ملنے کے بعد اس کے مایوسی کے نتائج اور پھر ضعیف العمری کے تقاضے ان کیفیات نے مل جل کر سہیل کے آتشین جذبات کو اب کسی قدر سرد کر دیا ہے اور تھکا دیا ہے اور وہ بار بار اپنی طبع رسا کی اس کیفیت کو بیان کرتے ہیں۔

نگہت گل کی طرح ملی ہے مجھے تقدیر سہیل
میرے طالع کی سعادت ہی پریشاں ہونا

یہ حاصل ہے سہیل خستہ اپنی سعی حاصل کا
کہ خضر راہ دورِ التفات برق خرمن ہے

مٹا جاتا ہے نقش جانفزا گر دیا کی تیرگی
الجھا ہی نفس تار سے دامن کا تار اب تک

دل برباد کی خاک آج بھی دوش صبا پر ہے
کھٹکتا ہے زمانہ کی نظر میں یہ غبار اب تک

رہی دو دلی تھی یا جوں یہ سب کیا گئیں
میں سمجھا تھا ترے عہد وفا کو استوار اب تک

سہیل اب چلی پھرتی چھاؤں نے لگی گرد یا ہوں
یہ دنیا کرو تیں لیتی رہتی بار بار اب تک

زمانہ کے بدلے ہوئے رنگ اور قدیم محفلوں کے انتشار کا ماتم—

اپنی تنہائی کے احساس کے ساتھ ان کے دل کو دکھاتا ہے۔

سہیل اب کس کو سجدہ کیجئے حیرت کا عالم ہے
جبیں خود بن گئی سنگ در جانانہ برسوں سے

سہیل خستہ نقادان معنی اٹھتے جاتے ہیں
ترا لفظ بہار لالہ صحرا نہ ہو جائے

ہجوم آزاد و جہد کہ گل، اصغر بھی فانی بھی
سہیل اب کون باقی ہے چمن میں عجز بیاں میرا

اٹھ گئے جوہر معنی کے پرکھنے والے
اب سہیل آپ عبث عرض ہنر کرتے ہیں

سہیل کی شاعری کے مختلف گوشوں پر بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے جو غالباً سہیل نمبر کے صفحات کی کمی کی وجہ سے نہیں لکھا جا سکا۔ سہیل ملک کی آزادی کے نقیب بھی تھے اور اب آزادی کے بعد بگڑتے ہوئے حالات کا ماتم بھی کر رہے ہیں۔ اس حیثیت سے وہ گذری ہوئی اور موجودہ نسل کے بہت ہی سچے ترجمان ہیں۔

احوالِ غالب

(مالک رام صاحب کی رائے)

احوالِ غالب کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمایئے۔ خدا کرے یہ آپ کی مزید علمی و ادبی کوششوں کا پیش خیمہ اور نیک نامی اور شہرت کا مقدمۃ الجیش ثابت ہو۔

مضمونوں سے متعلق کیا لکھوں کہ سب تعریف سے مستغنی ہیں، ہر ایک اپنی جگہ مفید اور دلچسپ ہے۔ غلام رسول مہر صاحب کا مضمون پنشن سے متعلق خوب ہے اور اس کے بعد فرحت مرحوم کے مضمون کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ مہر صاحب نے اسے تفصیل سے لکھ دیا۔

غالب کے مقدمے کی اصلی روداد چھاپ دی، یہ خوب کیا۔ غالباً غالب نمبر میں اس سے متعلق ایک مضمون تھا، اور اچھا تھا، لیکن اصل ماخذ کے ہوتے ہوئے کسی اور تعبیر کی کیا ضرورت ہے۔ اردو کے متعلقہ پرچہ تک رسائی اب ناممکن ہے، اسے دوبارہ چھاپ کر آپ نے اسے محفوظ کر دیا، خوب کیا۔

آپ کا مضمون تصویروں سے متعلق بہت اچھا ہے لیکن حاشیوں کی کثرت ہے، قبلہ قاضی عبدالودود صاحب نے اپنا پورا زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اور زیادہ کرے۔

(مالک رام اسکندریہ)

طباعت نہایت اعلیٰ، کاغذ سفید چکنا، غالب اور غالب کے معاصرین کی ۱۵ تصویروں سے مزین،

قیمت صرف ۹ روپے

ناشر:- انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

برقی پریس (؟) ... پرنٹرس کمپنی علی گڑھ۔ پباشر: قاضی عبدالغفار، انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ